ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

پروفیسر حفیظ الرحمٰن خان

سید ذوالکفل بخاری زیست کا مجازی لباس جہان رنگ و بو میں چھوڑ کر عالم بقا کی طرف رخصت ہو گئے لیکن ذوالکفل بخاری اپنی گوناگوں خوبیوں کے طفیل بہت سے دلوں میں دیر تک زندہ رہیں گے۔ وہ جیتی جاگتی انسانی صفات کا حسین مرقع تھے گو عمر زیادہ نہیں پائی، یہی کوئی انتالیس سال لیکن اس مختصر عرصۂ حیات میں انھوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا اس کی رمز کو سمجھا اور شعور و آگہی کے ساتھ برتا۔ وہ جو میرؔ نے ایک بات اپنے لیے کہی تھی۔

خوش ہیں دیوانگیِ میرؔ سے سب
کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ

وہی بات آج کے پر آشوب دور میں ذوالکفل بخاری کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔

عام طور پر رفتگاں کو اہل دنیا مادی رشتوں ناتوں اور دنیوی علائق کے حوالوں سے یاد کرتے ہیں اپنی ذات اور تعلقات کے آئینوں سے ان کا عکس دیکھتے اور تحریر و تقریر میں سب کو دکھاتے ہیں یہ سلسلے یہ حوالے بھی شخصیت سے وابستہ یادوں کو زندہ اور تازہ رکھنے کے ضمن میں اہمیت رکھتے ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ بڑے آدمی کا اصل حوالہ اس کے تصورات و خیالات اور کردار و عمل ہے۔ مرحوم کی زندہ افراد سے وابستہ یادیں دلوں میں رہتی ہیں لیکن تصورات اور کردار و عمل کا ایک قندیل ہے جسے وہ زندگی میں ہتھیلی پر لیے اردگرد کے اندھیروں کو کم کرتے رہتے ہیں اور وقت رخصت طاقِ زمانہ پر رکھ چلے جاتے ہیں۔

سید ذوالکفل بخاری نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی، علم و عرفان اور بصیرت و آگہی کے چراغ ماحول کو پہلے ہی روشن کیے ہوئے تھے دین متین کے سانچے میں ڈھلے ہوئے جیتے جاگتے عملی مرقع گھر میں ہمہ وقت آنکھوں کے سامنے رہتے تھے۔ فیضانِ نظر، خداداد ذہانت و فطانت اور شفاف تعلیم و تربیت کے طفیل ایک ایسا ہشت پہلوی نگینہ وجود میں آ گیا، جس سے اعلیٰ انسانی اوصاف کی رنگارنگ کرنیں پھوٹ رہی تھیں اور سب نے دیکھا کہ ذوالکفل بخاری نوعمری ہی میں فہم و فراست کے موتی بکھیر رہا تھا۔

مجھے یاد ہے نوجوان بخاری ابتدائی زمانۂ طالب علمی ہی میں علمی خزائن سے مالامال تھا۔ میں اُنھیں دنوں اس کے انداز تکلم سے چونک گیا تھا کہ ایک گوہر یکتا ہاتھ آیا، اسے مزید اُجالنے نیز اُس کی آب و تاب سے میرے سمیت سب کو ضیا پانے کے مواقع ملیں گے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اُسے کچھ دے پایا البتہ اِس بات کے اعتراف سے خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ نوجوان ذوالکفل بخاری سے بہت کچھ روشنی حاصل کی۔ روشن اور زندہ خیالات و تصورات کا بیش بہا خزانہ جو اس کے رخصت ہو جانے کے بعد آج بھی میرے اندر کے جہان کو تابندہ رکھتا ہے۔ ایک نادر و نایاب خوبی ہمارے نوجوان میں یہ تھی کہ وہ ہر عمر اور ہر ذہنی و علمی سطح کے لوگوں کے ساتھ ان کی سطح و معیار کے مطابق گفتگو کرتا۔ جود و سخا کا وصف سادات کو ورثے میں منتقل ہوتا ہے۔ بارہا دیکھا گیا کہ سید ذوالکفل بخاری گھر سے نکلتا اور رستے میں جس بھی شناسا یا اجنبی سے ملاقات اور بات چیت ہوتی اس کے دل و دماغ کو روشن، توانا اور معطر خیالات سے عطر بیز کر دیتا۔ غرض وہ جہاں کہیں بھی جاتا اپنے حیات بخش اور حیات آموز تصورات کو بانٹتا چلا جاتا ہے۔

ذوالکفل بخاری دوست دار آدمی تھا۔ اس کا حلقۂ احباب بے حد وسیع تھا۔ ہر عمر، ہر نظریے اور ہر مسلک کے لوگ اس کے ساتھ دوستانہ تعلق میں خوشی محسوس کرتے۔ وہ صاحبانِ علم و کمال کی مجالس میں سنجیدہ مباحث میں بڑے علمی وقار کے ساتھ شریک ہوتا، محفلِ شعر و ادب میں ادبی و فنی اور تنقیدی نکات پر نہایت بلیغ انداز میں اظہارِ خیال کرتا اور ہم چشموں اور یارانِ باصفا کے حلقے میں بزلہ سنجی، شوخی اور لطائف سے محفل کو زعفران زار بنا دیتا۔ یقین جانیے ہم نے بڑے بڑے لطیفہ گوؤں، گفتار کی پھلجڑیاں بکھیرنے والوں اور کالم کا پیٹ بھرنے والوں کو ان کے سامنے دریوزہ گر پایا۔ خطابت بخاری کی گھٹی میں تھی۔ تقریر کرتے تو فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے۔ تحریر میں علم و مطالعے کی جھلک ہر جملے اور فقرے میں نظر آتی۔ غرض تحریر و تقریر کا ایک ایسا پیرایہ ہوتا کہ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ بارہا دیکھا کہ مجلس میں ہر نظریے ہر مکتبِ فکر کے لوگ بیٹھے ہیں۔ ذوالکفل بخاری نے اپنا نکتۂ نظر اس قدر اثر آفریں انداز میں بیان کیا کہ سب نے ''آمنا و صدقنا'' کہا۔ وہ دوستوں کے دوست اور یاروں کے یار تھے لیکن دوستی یاری میں ہر خوب و ناخوب پر صاد نہیں کرتے تھے بلکہ حق بات برملا کہتے اور بڑے سے بڑے نظریاتی مخالف سے اپنا نکتۂ نظر بہت کچھ منوا لیتے۔

ملتان کے ادبی حلقوں میں ایک طویل عرصے تک ایک خاص ادبی تنقیدی اندازِ فکر و نظر کو پذیرائی حاصل رہی ہے۔ گزشتہ صدی کی نویں دہائی میں ایک دوسری آواز ''فاران اکادمی'' کے عنوان سے سنائی دی جہاں اغیار کے افکار و تخیل کی پیروی کے بجائے قومی و ملی زاویۂ نگاہ اور ''پاکستانیت'' کو شعر و ادب کا روحِ رواں مانا گیا۔ کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے یہ حقیقت ہے کہ فاران اکادمی نے ملتان کے ادبی افق پر گہرے اثرات رقم کیے اور نئے لکھاری پوری آب و تاب سے جگمگا رہے ہیں نئے لکھنے والوں میں خالد مسعود خان، منیر چودھری، وحید الرحمن خان، شعیب ودود، مختار پارس، خالد محمود سنجرانی، افتخار شفیع خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ذوالکفل بخاری اس قبیلہ شعر و سخن اور ادب و تنقید کے سرخیل تھے۔ انھوں نے نئے لکھنے والوں کی فکری و فنی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ فیضانِ نظر ان کے رخصت ہو جانے کے بعد دیر تک ماحول میں ضیاء پاشی کرتا رہے گا۔ سید ذوالکفل بخاری رخصت ہو گئے لیکن ان کا باوقار اور محبت آمیز شگفتہ و شاداب سراپا بہت سے دلوں میں زندہ رہے گا۔ یہاں میں نے زیادہ تر فکری، علمی و ادبی تشخص اور کردار و عمل کا ذکر کیا ہے۔ شخصی اور ذاتی حوالے سے ان کے والدین، اعزہ و اقارب، بزرگوں اور دوستوں کے دلوں اور دل آویز یادوں کے دیے روشن ہیں، ان کے بیان کے لیے دفتر درکار ہیں۔ وفات کی خبر سن کر دارِ بنی ہاشم گیا۔ والد محترم پروفیسر حافظ وکیل شاہ، بھائی سید محمد کفیل شاہ اور خانوادہ بنی ہاشم کے سب بزرگ و جواں صبر و استقامت کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ اس وقت پیغمبر اسلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بار بار میرے دل و دماغ میں آ رہے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات کے موقع پر ارشاد فرمائے تھے:

> آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غمزدہ ہو رہا ہے لیکن منہ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جن کو خدا پسند کرتا ہے۔'' ایک ایمان افروز اور قابلِ رشک روایت ذوالکفل بخاری کی وفات کے آخری لمحات کے حوالے سے پہنچی ہے وقتِ رخصت انھوں نے اپنا ہاتھ اوپر کر کے اور انگشتِ شہادت آسمان کی طرف بلند کر کے اونچی آواز میں کلمۂ شہادت پڑھا اس امر کی گواہی موقع پر موجود سعودی پولیس اہلکار نے دی اور درخواست کی کہ یہ شہادت پاکستان میں مرحوم کے والدین تک پہنچا دی جائے۔ سبحان اللہ ''یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔

(روزنامہ نوائے وقت ۲۴/نومبر ۲۰۰۹ء)